OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

Al-Qamar, Volume 9, Issue 1 (January-March 2026)

قرآنِ کریم میں حضرت طالوت کے واقعے سے مستنبط ایمانی، تعلیمی اور تربیتی اصول: ایک تجزیاتی مطالعہ

An Analytical Study of the Faith-Based, Educational, and Character-Building Principles Derived from the Qur'anic Narrative of *Talut*

Anwar Hussain Abid
Doctoral Candidate, Department of Islamic Studies,
Kohat University of Science & Technology
anwarhussain8765@gmail.com

Dr. Qaisar Bilal
Assistant Professor
Department of Islamic Studies,
Kohat University of Science & Technology
qaisarbilal@kust.edu.pk

Dr.Qazi Abdul Manan
Chairperson,/Assistant Professor
Department of Islamic Studies,
Kohat University of Science & Technology
dr.manan@kust.edu.pk

Abstract

This research examines the lessons and principles derived and inferred from the Qur'anic narrative of Talut, as mentioned in Surah al-Baqarah, verses 246–251. The study employs an inductive and analytical methodology. First, a brief introduction to the narrative is presented in the light of various Qur'anic

CC BY

commentaries and historical sources. This is followed by an examination of the various lessons and principles derived from the narrative.

The study identifies approximately eight faith-based principles and lessons. These include the recognition of the struggle between truth and falsehood as an established Divine law (Sunnatullah), the rejection of ignorant and materialistic criteria in matters of leadership and selection, and an explanation of the criteria for Divine victory and success. Subsequently, seven educational and training lessons are derived, focusing on collective discipline, steadfastness in the face of trials, and the importance of supplication.

The research demonstrates that leadership is granted on the basis of Divine selection, knowledge and intellectual competence, and physical capability, rather than lineage, wealth, or social statusThe study also concludes that adopting and utilizing available means and resources is not contrary to reliance upon Allah (Tawakkul); rather, taking appropriate measures while placing one's ultimate trust in Allah is a fundamental principle derived from the narrative of Prophet Talut.

Key Words: Qur'anic narrative, Talut, Tawakkul, Divine Law.

تمہید

قصص القرآن قرآن کریم کے اعجاز، حکمت اور رہنمائی کا ایک اہم مظہر ہیں۔ قرآن مجید میں بیان کیے گئے انبیاء کرام علیہم السلام اور سابقہ اقوام کے واقعات محض تاریخی واقعات کی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ ان میں انسانی زندگی کے مختلف شعبوں کے لیے ایمان افروز، اصلاحی، تعلیمی، تربیتی اور اجتماعی رہنمائی کے بے شمار پہلو موجود ہیں۔ قرآن کریم نے ان واقعات کو نہایت حکیمانہ انداز میں بیان کیا ہے تاکہ اہل ایمان ان سے عبرت حاصل کریں، اپنے ایمان کو مضبوط کریں اور عملی زندگی کے لیے رہنمائی حاصل کریں۔

حضرت طالوت کا واقعہ بھی قرآن کریم کے اہم اور سبق آموز واقعات میں سے ہے، جسے سورۃ البقرۃ کی آیات 246 تا 251 میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس واقعے میں بنی اسرائیل کی سیاسی و اجتماعی صورت حال، قیادت کا مسئلہ، جہاد، آزمائش، اطاعت و نظم و ضبط، دعا، توکل، اسباب کا اختیار کرنا اور اللہ تعالیٰ کی نصرت جیسے متعدد اہم موضوعات کو نمایاں کیا گیا ہے۔ خصوصاً اس واقعے میں قیادت کے انتخاب کے حوالے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ قیادت کا حقیقی معیار محض نسب، مال و دولت یا ظاہری وجاہت نہیں، بلکہ علم، صلاحیت، اہلیت اور جسمانی قوت جیسے اوصاف ہیں۔ اسی طرح طالوت کے لشکر کی آزمائش اور جالوت

کے مقابلے میں اہلِ ایمان کی کامیابی سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت صبر، استقامت، نظم و ضبط، دعا اور صحیح طرزِ عمل اختیار کرنے والوں کے ساتھ ہوتی ہے۔

زیرِ نظر تحقیق میں حضرت طالوت علیہ السلام کے واقعے کا مختلف تفاسیر اور کتبِ تاریخ کی روشنی میں مختصر تعارف پیش کرنے کے بعد اس واقعے سے مستفاد و مستنبط ایمانی، تعلیمی، تربیتی اور اجتماعی اصول و اسباق کا استنباط کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ یہ مطالعہ قصص القرآن کی تعلیمی و تربیتی افادیت کو اجاگر کرنے اور موجودہ دور میں قرآنی واقعات سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوششوں میں ایک مفید اضافہ ثابت ہوگا۔

(سورہ البقرۃ:246–251)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ (246) وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (247) وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَى وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (248) فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو اللَّهِ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ (249) وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (250) فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ (251)

ترجمہ: کیا تمہیں موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کے گروہ کے اس واقعے کا علم نہیں ہوا جب انہوں نے اپنے ایک نبی سے کہا تھا کہ ہمارا ایک بادشاہ مقرر کر دیجیے تاکہ (اس کے جھنڈے تلے) ہم اللہ کے راستے میں جنگ کر سکیں۔ نبی نے کہا: کیا تم لوگوں سے یہ بات کچھ بعید ہے کہ جب تم پر جنگ فرض کی جائے تو تم نہ لڑو؟ انہوں نے کہا: بھلا ہمیں کیا ہو جائے گا جو ہم اللہ کے راستے میں جنگ نہ کریں گے حالانکہ ہمیں اپنے گھروں اور اپنے بچوں کے پاس سے نکال باہر کیا گیا ہے۔ پھر (ہوا یہی کہ) جب ان پر جنگ فرض کی گئی تو ان میں سے تھوڑے لوگوں کو چھوڑ کر باقی سب پیٹھ پھیر گئے، اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ اور ان کے نبی نے ان سے کہا کہ: اللہ نے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔ کہنے لگے: بھلا اس کو ہم پر بادشاہت کرنے کا حق کہاں

سے آ گیا؟ ہم اس کے مقابلے میں بادشاہت کے زیادہ مستحق ہیں، اور اس کو تو مالی وسعت بھی حاصل نہیں۔ نبی نے کہا: اللہ نے ان کو تم پر فضیلت دے کر چنا ہے اور انہیں علم اور جسم میں (تم سے) زیادہ وسعت عطا کی ہے، اور اللہ اپنا ملک جس کو چاہتا ہے دیتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت اور بڑا علم رکھنے والا ہے۔ اور ان سے ان کے نبی نے یہ بھی کہا کہ: طالوت کی بادشاہت کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق (واپس) آ جائے گا جس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے سکینت کا سامان ہے، اور موسیٰ اور ہارون نے جو اشیاء چھوڑی تھیں ان میں سے کچھ باقی ماندہ چیزیں ہیں۔ اسے فرشتے اٹھائے ہوئے لائیں گے اگر تم مومن ہو تو تمہارے لیے اس میں بڑی نشانی ہے۔ چنانچہ جب طالوت لشکر کے ساتھ روانہ ہوا تو اس نے (لشکر والوں سے) کہا کہ: اللہ ایک دریا کے ذریعے تمہارا امتحان لینے والا ہے، جو شخص اس دریا سے پانی پیے گا وہ میرا آدمی نہیں ہو گا، اور جو اسے نہیں چکھے گا وہ میرا آدمی ہو گا، الا یہ کہ کوئی اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے (تو کچھ حرج نہیں) پھر (ہوا یہ کہ) ان میں سے تھوڑے آدمیوں کے سوا باقی سب نے اس دریا سے (خوب) پانی پیا۔ چنانچہ جب وہ (یعنی طالوت) اور اس کے ساتھ ایمان رکھنے والے دریا کے پار اترے، تو یہ لوگ (جنہوں نے طالوت کا حکم نہیں مانا تھا) کہنے لگے کہ: آج جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی ہم میں بالکل طاقت نہیں ہے۔ (مگر) جن لوگوں کا ایمان تھا کہ وہ اللہ سے جا ملنے والے ہیں انہوں نے کہا کہ: نہ جانے کتنی چھوٹی جماعتیں ہیں جو اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہیں، اور اللہ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو صبر سے کام لیتے ہیں۔ اور جب یہ لوگ جالوت اور اس کے لشکروں کے آمنے سامنے ہوئے تو انہوں نے کہا: اے ہمارے پروردگار صبر واستقلال کی صفت ہم پر انڈیل دے، ہمیں ثابت قدمی بخش دے، اور ہمیں اس کافر قوم کے مقابلے میں فتح ونصرت عطا فرما دے۔ پس اللہ کے حکم کے ساتھ ان کو شکست دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کیا اور اللہ تعالی نے انکو حکومت اور حکمت سے نوازا، اور جو علم چاہا عطا فرمایا، اگر اللہ تعالی لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفاع نہ کرے تو زمین میں فساد پھیل جاتا، لیکن اللہ تمام جہان والوں پر فضل کرنے والا ہے۔

* قصۂ طالوت کا مختصر تعارف *

روایات میں آتا ہے کہ جب یوشع علیہ السلام کا انتقال ہوا تو بنی اسرائیل نے شریعت ضائع کر دی اور شام کے مختلف اقوام نے ان پر غلبہ پا لیا۔ البتہ ان کے امور یعنی معاملات باہمی مشورے سے چلتے تھے اور وہ اپنے معاملات کے لیے جسے چاہتے، منتخب کر دیتے اور جنگ کے لیے اہل لوگ مامور کرتے تھے۔ ان کا معاملہ کبھی کوئی نبی وحی کے ذریعے سنبھالتا اور کبھی ان کے بہترین لوگ معاملات سنبھال لیتے۔ تقریبا تین سو سال انہوں نے ایسے گزارے کہ ان کا کوئی مستقل بادشاہ نہ تھا اور دوسرے بادشاہ انہیں ہر طرف سے ستاتے تھے، یہاں تک کہ انہوں نے اپنی نبی سمویل علیہ السلام سے بادشاہ مقرر کرنے کا مطالبہ کیا۔[1]

ارشاد باری تعالی ہے:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ ....

یعنی بنی اسرائیل کے سرداروں نے موسی علیہ السلام کے بعد اپنے نبی سے کہا کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ بھیجیں تا کہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ کریں۔ اس نے فرمایا کہ کیا تمہیں امید ہے کہ اگر تم پر جنگ فرض کر دی جائے تو تم جنگ نہ کرو گے۔ انہوں نے کہا ہم کیوں اللہ کی راہ میں جنگ نہ کریں حالانکہ ہمیں اپنے گھروں اور بچوں سے نکالا گیا ہے لیکن جب ان پر جنگ فرض کی گئی تو سوائے تھوڑے لوگوں کے سب منہ موڑ گئے۔ یعنی قوم عمالقہ نے انہیں اپنے گھروں سے نکال کر بے گھر کر دیا تھا اور عمالقہ پر اس وقت جالوت بادشاہ تھا۔[2]

انہوں نے اپنے نبی سے ایک بادشاہ کی درخواست کی تو اللہ تعالی نے طالوت علیہ السلام کو بادشاہ بنا کر بھیجا حالانکہ وہ اپنی قوم میں مشہور نہیں تھا۔ اسی لیے انہوں نے اپنے نبی سے کہا کہ طالوت نہ تو نبوت کے خاندان سے ہے نہ ہی بادشاہوں کے، تو وہ کیسے؟ حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ بادشاہت اور نبوت اہل لاوی اور ال یہوذا میں سے ہوتی ہے۔[3]

لیکن نبی نے ان سے کہا کہ اللہ نے ان کو تم پر فضیلت دے کر چنا ہے اور انہیں علم اور جسم میں (تم سے) زیادہ وسعت عطا کی ہے۔ ہے انہوں نے پوچھا کہ اس کی بادشاہت کی نشانی کیا ہوگی تا کہ ہم انہیں پہچان سکیں۔ تو اللہ تعالی نے انہیں ان کی نشانی بتلائی کہ طالوت کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق واپس اجائے گا جس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے سکینت کا سامان ہے اور موسی اور ہارون علیہما السلام نے جو اشیاء چھوڑی تھیں، ان میں سے کچھ باقی ماندہ چیزیں ہیں اسے فرشتے اٹھائے ہوئے لائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ اگر وہ صندوق ہمارے پاس واپس آیا تو ہم راضی ہیں اور اس کو تسلیم کریں گے۔

صاحب خازن لکھتے ہیں:

"فخرج بهم طالوت وجدوا في حرب عدوهم ولم يختلفوا عنه الا كبير وضرير ومعذور او من دخل في صنعه لابد من التخلف"[4]

چنانچہ طالوت علیہ السلام ان کے ساتھ نکلا اور اپنے دشمن سے جنگ کی اور اس کے ساتھ صرف وہی لوگ رہے جو عمر رسیدہ، چھوٹے یا معذور نہ تھے یا جن کا پیشہ ایسا تھا جس کی وجہ سے انہیں پیچھے رہنا پڑا۔ انہوں نے آپس میں کہا کہ پہاڑوں اور کنؤوں کے قریب ہم دشمن کا مقابلہ نہیں کرسکتے لہذا اللہ سے دعا کرو کہ ہمارے لیے ایک نہر جاری کرے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے رب سے دعا کی تو ان کے لیے نہر جاری کر دی گئی اور اللہ نے یہاں ان کی وفاداری کا امتحان لیا اور فرمایا کہ اللہ تعالی تمہیں نہر کے ذریعے آزمائے گا چنانچہ جس نے اس نہر میں سے پیا تو وہ جنگ میں میرے ساتھ نہیں لڑے گا اور جس نے اس سے نہ پیا تو وہ میرے ساتھ ہے سوائے اس کے جس نے ایک چلو اپنے ہاتھ سے بھرا تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن وہ پانی چھوڑنے پر صبر نہ کر سکے اور ان میں سے بہت تھوڑے سے لوگوں کے سوا سب نے پانی پی لیا۔

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پینے والوں کی تعداد ایک لاکھ تین ہزار تین سو تیرہ تھی اور نہ پینے والوں کی تعداد بہت کم صرف تین سو تیرہ تھی جو بدر میں نبی علیہ السلام کے ساتھیوں کی تھی۔ طالوت نے تین سو تیرہ کے علاوہ سب کو واپس کر دیا۔[5]

جب طالوت علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں نے نہر کو پار کر لیا تو انہوں نے کہا کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر کے ساتھ لڑنے کی طاقت نہیں ہے۔ لیکن اللہ اور آخرت پر پختہ ایمان رکھنے والوں نے کہا کہ بہت سارے کم تعداد والے گروہ زیادہ تعداد والے گروہ پر اللہ کے حکم اور اجازت سے غالب آئے ہیں۔ چنانچہ جب جنگ شروع ہوئی تو اللہ تعالی کا ارادہ تھا کہ جالوت، داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہو تو داود علیہ السلام نے جالوت کو تیر مار کر قتل کر دیا۔ جب اس کے لشکر کا دایاں اور بایاں حصہ شکست کھا گیا تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے بلکہ خود ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے اور طالوت بنی اسرائیل کو لے کر فتحیاب ہو کر واپس لوٹا اور اللہ تعالی نے انہیں دشمن پر غالب کر دیا۔[6]

٭ قصہ طالوت سے مستفاد ایمانی اسباق ٭

1۔ حق و باطل کی کشمکش سنت الہی ہے۔

آیات کریمہ میں جالوت اور اس کے لشکر کے قتل اور مومنین کی قلیل جماعت کے ہاتھوں شکست کا تذکرہ ہے جنہیں اللہ تعالی نے اس فرض کے لیے منتخب کر لیا تھا۔ آیات کریمہ میں تدافع (دفع) کی سنت کا بھی بیان ہے اور یہ کہ یہ تدافع تا قیامت جاری رہے گا اور اس کی وجہ باطل اور اس کے فروغ دینے والوں کو روکنا اور زمین کو خلافت کے لیے اصلاح کرنے کی راہ ہموار کرنا ہے۔ ابن عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اخبر الله تعالى في هذه الاية انه لولا دفعه بالمؤمنين في صدور الكفرة على مر الدهر لفسدت الارض،لان الكفر كان يطبقها ويتمادى في جميع اقطارها،ولكنه تعالى لا يخلى الزمان من قائم بحق وداع الى الله ومقاتل عليه،الى ان جعل ذلك في امة محمد صلى الله عليه وسلم الى قيام الساعة، له الحمد كثيرا.[7]

یعنی اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے خبر دی ہے کہ اگر وہ ہر زمانے میں کفار کو مومنین کے ذریعے نہ دھکیلتا تو زمین فساد سے بھرپور ہو جاتی کیونکہ کفر اسے مغلوب کر کے تمام خطے میں پھیل جاتا لیکن اللہ تعالی زمانے کو حق پر قائم رہنے والے، اللہ تعالی کی طرف بلانے والے اور اللہ کی خاطر لڑنے والے سے خالی نہیں چھوڑتا یہاں تک کہ اسے امت محمدیہ میں تا قیامت جاری رکھا۔

لہذا دنیا میں نیک اور صالح لوگوں کا باقی رہنا اللہ تعالی کی سنت ہے ورنہ زمین فساد سے بھر جاتی۔ اسی طرح حق و باطل کی کشمکش میں دعویداروں کی کمزوری عیاں اور ظاہر ہو جاتی ہے اور سچے لوگوں کی سچائی ہی فائدہ دیتی ہے۔

2۔ اللہ تعالی کے انتخاب پر بھروسہ اور تمام جاہلی معیارات کا رد

لوگوں کی عادت ہے کہ وہ فضل و جاہ، کامیاب اور مقبول لوگوں کے انتخاب پر بھروسہ کرتے ہیں لیکن اللہ تعالی کے انتخاب کا معیار الگ ہے۔ اللہ تعالی کے بھروسے کا معیار مندرجہ ذیل ہے:

ا. یقین

یہ یقین کہ اللہ کا انتخاب تمہارے انتخاب سے بہتر اور بڑھ کر ہے جو تمہیں صبر، برداشت، امید اور اللہ کی طرف رجوع پر آمادہ کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

ایمان والوں نے اس یقین کے ساتھ ان لوگوں سے کہا جو امید کا دامن چھوڑ چکے تھے اور کہہ رہے تھے کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر کے ساتھ لڑنے کی طاقت نہیں ہے۔

۲. اللہ تعالی کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنا

اکثر اللہ کے بندوں میں سے حکم الہی کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتے اور آج بھی ہم دیکھ رہے ہیں جس کے لیے دوسری دلیل کی کوئی ضرورت نہیں خود اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

ترجمہ: اور میرے بندوں میں سے کم لوگ ہیں جو شکر گزار ہیں.

اور اس موقف میں آپ ان لوگوں کو پاؤ گے جو طالوت کے ساتھ تھے یعنی ایک لاکھ تین ہزار چھ سو چھبیس میں سے صرف 313 نے اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ اسی طرح خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

((يقول الله تبارك وتعالى: يا ادم! فيقول: لبيك وسعديك والخير في يديك. فيقول: اخرج بعث النار، قال: وما بعث النار؟ قال: من كل الف تسعمائة وتسعة وتسعين))[8]

ترجمہ: اللہ تعالی فرمائیں گے کہ اے آدم! آدم علیہ السلام کہیں گے کہ: حاضر ہوں، فرمان بردار ہوں اور ہر بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالی فرمائیں گے کہ: جو لوگ جہنم میں ڈالے جائیں گے انہیں نکال لو۔ آدم علیہ السلام پوچھیں گے کہ جہنم میں ڈالے جانے والے کتنے لوگ ہیں؟ اللہ تعالی فرمائیں گے کہ: ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔

معلوم ہوا کہ اطاعت کرنے والے کم ہیں اور مخالفت کرنے والے زیادہ ہیں۔

3۔ مصائب میں استحکام پر ایمان کا اثر

مومنین پر مصیبتیں اور ازمائشیں اللہ تعالی کی سنتوں میں سے ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالی سچے اور صرف دعویداروں میں تمیز کرتا ہے۔ مومن اپنے مصائب پر استحکام سے اعلی مرتبہ پاتا ہے اور متردد اپنی کمزوری سے ہلاکت کی طرف بڑھتا ہے۔ لوط علیہ السلام اور اس کی قوم کے قصے میں استحکام کی عظیم ترین صورتیں جو ایمانی کردار کو اجاگر کرتی ہیں مندرجہ ذیل ہیں:

ا. ممنوعات سے تجاوز نہ کرنا جیسا کہ اللہ تعالی نے انہیں نہر کے پانی کے ذریعے آزمایا اور انہوں نے طالوت علیہ السلام کی اطاعت کی۔

۲. ایمان صبر اور برداشت کا تقاضا کرتی ہے اور طالوت علیہ السلام کے ساتھیوں نے بھی اسی یقین کے ساتھ کثیر جماعت سے جنگ کی کہ وہ اللہ تعالی کے ساتھ ملاقات پر پختہ ایمان رکھتے تھے اور انہیں یقین تھا کہ اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔

4۔ ازمائش تمکین (قدرت وقبضہ دینے) کا راستہ

سنن الہیہ میں سے ہے کہ اللہ تعالی بغیر آزمائش کے کسی کو زمین میں قدرت نہیں دیتا اور نہ ہی اسے زمین کا وارث بناتا ہے بلکہ زمین کا وارث وہی بنتا ہے جو صبر اور استحکام سے کام لے اور اپنے امور اللہ تعالی کے سپرد کرے۔ قصہ طالوت میں بھی اللہ تعالی نے مومنین کے ذریعے کفار کو دھکیل کر ان سے سلطنت اور حکومت دلائی ورنہ کفار زمین میں فساد پھیلا دیتے۔

5۔ بزدل اکثریت کے مقابلے میں بہادر مومنین کی قلیل جماعت

امتحان اور آزمائش کے میدان میں برتری کا معیار تعداد نہیں بلکہ اللہ پر پختہ ایمان اور یقین کا ہونا ہے۔ اللہ تعالی اسی کے ذریعے سے مومن صف کو متزلزل عقیدہ سب سے ممتاز کرتا ہے اور یہ سنت الہی قصہ طالوت میں نہایت وضاحت کے ساتھ مجسم ہوئی۔ جہاں ایک مومن اور سچا گروہ، جو تعداد میں اگرچہ کم تھا، ایک بزدل اکثریت کے سامنے صف بستہ ہو کر کھڑا ہوا، ثابت قدم رہا، صابر رہا اور آخر کار فتح یاب ہوا۔

6۔ فتح نصرت الہی سے ہے کثرت تعداد سے نہیں۔

مادی دنیا میں عام دلوں کا رجحان تعداد، سامان اور ٹیکنالوجی کی طرف ہوتا ہے اور عموماً اسی کو فتح کا معیار اور ذریعہ سمجھا جاتا ہے، لیکن قرآن کریم اس رجحان کو درست سمت دکھلا کر ایک عظیم اصول قائم کرتا ہے کہ فتح کثرت سے نہیں بلکہ یہ تائید باری تعالی سے ہوتی ہے، جسے اللہ تعالی فتح کا مستحق سمجھے۔ اور قصہ طالوت میں یہ اصول مجسم طور پر نظر آتا ہے کہ ایک چھوٹی سی جماعت نے اللہ تعالی کی تائید اور نصرت سے ایک بڑی جماعت کو کیسے شکست سے دوچار کیا۔

7۔ اللہ کے سامنے کمال ادب

اللہ تعالی کا ادب و احترام یہی ہے کہ اس کے احکام کی پیروی کرے، اس کے فیصلوں پر اعتراض نہ کرے اور ایسی بات نہ کرے جو اللہ کی شان کے خلاف ہو۔ مومن بندے کا علم اور رب کی معرفت جتنی بڑھتی ہے، اس کا ادب بھی پروان چڑھتا اور بڑھتا ہے۔ اس لیے انبیاء علیہم السلام اپنے بلند مقام و مرتبے کے باوجود اللہ تعالی کے ساتھ کامل ادب رکھنے والے تھے۔ قصہ طالوت میں اللہ تعالی کے ساتھ ادب، واقعات کو اللہ کی طرف منسوب کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ اللہ تعالی کی تعظیم اور اس کے ساتھ حسن ادب میں سے ہے کہ ان کے نبی کا قول {ان اللہ قد بعث لکم طالوت ملکا} ہے۔ یہاں اس نے یہ نہیں کہا کہ میں نے بھیجا۔ اور اللہ تعالی کا یہ قول {فھزموھم باذن اللہ} یعنی انہوں نے فتح کو بھی اللہ کے اذن اور اجازت سے مقید کیا۔ اور یہ توحید کے کمال، سچی محبت کی علامت، قبولیت دعا کی شرط اور فتح و تمکین کا سبب ہے کہ بندہ اللہ کی طرف ان انعامات کو منسوب کرے۔

8۔ تقدیر، ارادہ کونیہ اور اذن باری تعالی کا اثبات

تقدیر الٰہی ایمان کے اصولوں میں سے ہے اور اذن کونی یا ارادہ کونیہ اللہ کی وہ مشیت ہے جو کائنات میں نافذ ہے، بندہ اسے پسند کرے یا ناپسند کرے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

{انما امره اذا اراد شيئا ان يقول له كن فيكون}[9]

ترجمہ: اس کا معاملہ تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرلے تو صرف اتنا کہتا ہے کہ: ہو جا. بس وہ ہو جاتی ہے.

قصہ طالوت میں تقدیر کے اثبات میں مندرجہ ذیل عبر و مواعظ موجود ہیں:

۱. واقعات اور حوادث اللہ تعالی کے اذن کے بغیر نہیں ہوتے اور یہ افعال باری تعالی اور مخلوقات کے افعال دونوں کو شامل ہے۔

۲. اللہ تعالی کا اذن دو طرح کا ہے ایک اذن شرعی دوسرا اذن کونی۔[10]

۳. اسی طرح اللہ تعالی کا ارادہ بھی دو طرح کا ہے ارادہ شرعیہ اور ارادہ کونیہ۔

ارادہ کونیہ سے مراد اللہ تعالی کی وہ مشیت جو تمام حوادث کو شامل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

{ولكن الله يفعل ما يريد}[11]

اور ارادہ شرعیہ سے مراد مسلمانوں کو فتح اور قبضہ و قدرت کا ارادہ ہے۔[12]

* قصہ طالوت سے مستفاد تعلیمی اسباق *

1۔ اجتماعی نظم و ضبط اور اہداف کے حصول پر اثر

کثرت تعداد یا جوش کسی بھی تنظیم یا جماعت میں اہداف کے حصول کے لیے کافی نہیں بلکہ اس کے لیے اجتماعی نظم و ضبط ضروری ہے یعنی تنظیم یا جماعت کے تمام افراد کا قیادت کے احکام کی پابندی، اور ان قوانین کا احترام، اخلاق اور طرز عمل کی تعمیل جو انہیں متحد و متفق رکھتے ہیں۔ قرآن کریم نے اس قصے میں اس اصول کو خوبصورتی کے ساتھ مجسم کیا ہے، جہاں صرف وہی لوگ کامیاب اور فتحیاب ہوئے جنہوں نے اپنے قائد کی اطاعت کی اور اجتماعی طور پر نظم و ضبط کا مظاہرہ کیا اور ہر حکم پر ثابت قدم رہے۔ پس اجتماعی نظم و ضبط ایک ضرورت ہے اور قلیل منضبط جماعت کثیر بے ترتیب جماعت پر غالب آجاتی ہے۔

2۔ ہر مصیبت اور آزمائش برائے ہلاکت نہیں ہوتی

قران کریم میں ابتلا یعنی آزمائش یا مصیبت میں مبتلا کرنا صرف غضب الٰہی اور ہلاکت کی علامت اور دلیل نہیں بلکہ اس کے ذریعے اللہ تعالی دلوں کو پرکھتا ہے اور تاکہ ان کے درجات بلند کیے جائیں۔ اللہ تعالی مصیبت اور آزمائش کے وقت میں اپنے

بندوں پر رحم کرتا ہے اور انہیں زندگی بخشتا ہے۔ جیسا کہ قصہ طالوت میں انہیں پانی کے ذریعے آزمایا گیا لیکن اللہ تعالی نے استثنا دی کہ {الا من اغترف غرفۃ بیدہ} کیونکہ انہیں موت سے بچنے کے لیے پانی پینا ہی تھا۔

3۔ محکوم کی طرف سے درخواست کی وجہ پیش کرنا یا اعتراض اٹھانا

حضرت طالوت علیہ السلام کا قصہ ان بہترین اور سبق آموز قرآنی مثالوں میں سے ہے جو گہری تعلیمی اور تربیتی اشارات سے بھرپور ہیں۔ یہ قصہ حاکم کے فیصلے پر اعتراض کرنے یا اس سے کوئی مادی مطالبہ کرنے کے حوالے سے محکوم کے اخلاق و آداب کے ایک خاص مروجہ اسلوب کو واضح کرتا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

ا. ایسے امور کا تذکرہ کرنا جو حاکم کو درخواست قبول کرنے پر آمادہ کرے۔ جب کوئی شخص کسی دوسرے مقتدر آدمی سے کسی چیز کا مطالبہ کرے تو پسندیدہ اخلاق میں سے یہ ہے کہ وہ ایسے معاون اسباب کا ذکر کرے کہ حاکم کو اس کی درخواست قبول کرنے پر ابھارے یعنی مجبور کرے مثلا بنی اسرائیل کا یہ قول کہ ہم پر ایک بادشاہ مقرر کرنا تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ کریں۔ یہ ایک ایسا عذر تھا جس نے ان کے نبی کو اللہ تعالی کے حضور یہ درخواست پیش کرنے پر مائل کیا کہ ان کے لیے کسی بادشاہ کا تقرر کیا جائے.

۲. اعتراض کی صورت میں کوئی منطقی وجہ یا بنیاد فراہم کرنا۔ یہ پہلو بھی طالوت علیہ السلام کے قصے میں اللہ تعالی کے اس ارشاد گرامی سے بالکل واضح ہے:

{أنّیٰ يكون له الملك علينا ونحن احق بالملك منه}

یہاں قوم کا سوالیہ انداز گفتگو دو احتمال رکھتا ہے۔ یا تو واقعی یہ ایک اعتراض تھا یا پھر وہ اس اعتراض کے پیچھے چھپی حقیقت کو جاننا چاہتے تھے کہ:

{ونحن احق بالملك منه ولم يؤت سعه من المال}.

4۔ امت کے تحفظ کے لیے قیادت ناگزیر ہے

قیادت اللہ تعالی کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے جو اللہ تعالی اقوام عالم کو عطا فرماتا ہے کیونکہ یہ دین و دنیا کے تحفظ کے لیے ایک مضبوط ڈھال کی مانند ہوتی ہے۔ ایک صالح اور مدبرانہ قیادت ہی کسی قوم یا جماعت کی بقا، عدل و انصاف کے قیام، اتحاد و یگانگت، غلبہ و تمکین اور فتنہ و فساد اور سرکشی کے سدباب جیسے عظیم مقاصد کے حصول کے لیے ناگزیر ہے۔ چنانچہ طالوت علیہ السلام کا قصہ امت کے تحفظ میں قائدانہ کردار کے کسی گہرے اثر کی وضاحت کرتا ہے۔ بنی اسرائیل جب سیاسی اور روحانی طور پر زوال اور شکست وریخت کا شکار ہو چکے تھے، بیت المقدس کی حرمت پامال ہو چکی تھی اور ان سے تابوت سکینہ چھن چکا تھا اور ان کی صفوں میں انتشار اور تفرقہ پھیل چکا تھا تو انہوں نے اپنی عزت اور اپنا مقام واپس پانے کے لیے ایک قائد کی ضرورت محسوس کی کہ ایک تو وہ لشکروں کا انتظام سنبھالے اور امت کا دفاع کرے اور ان لشکروں سے منسلک افراد کا جائزہ لے۔ چنانچہ طالوت علیہ السلام نے ان کا جائزہ لیا، انہیں منظم کیا اور ان لوگوں کو بھی روکا جو جنگ کے قابل نہ تھے یا حوصلہ شکنی کرنے والے تھے یا بزدلی پھیلانے والے تھے۔ دوسرا یہ کہ وہ سپاہیوں کا انتخاب کرے تاکہ اہل اور نااہل کو الگ کر سکے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ:

لابد للناس من امارة: برة كانت او فاجرة. فقيل: يا امير المؤمنين! هذه البرة قد عرفناها ،فما بال الفاجرة؟ فقال: يقام بها الحدود وتأمن بها السبل ويجاهد بها العدو ويقسم بها الفيء.[13]

ترجمہ: لوگوں کے لیے امارت یعنی حکومت ضروری ہے، وہ نیک ہو یا فاجر۔ پوچھا گیا: اے امیر المومنین! نیک تو ہم پہچان گئے فاجر کیوں؟ فرمایا: کہ اس کے ذریعے حدود قائم ہوتی ہیں، راستے محفوظ ہوتے ہیں، دشمن سے جہاد کیا جاتا ہے اور مال فی تقسیم ہوتا ہے۔

اسی طرح جب لوگوں نے ولید بن عقبہ بن معیط کے طرز عمل کا انکار کیا تو وہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس گئے تو انہوں نے انہیں صبر کرنے کا کہا اور فرمایا کہ پچاس سال کا ظالم حاکم ایک مہینے کی فتنے سے بہتر ہے کیونکہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لابد للناس من امارة برة او فاجرة،فاما البرة فتعدل في القسم،وينقسم بينكم فيامكم بالسوية واما الفاجره فيبتلى فيها المؤمن،والاماره الفاجره خير من الهرج)). قيل يا رسول الله! وما الهرج؟قال: ((القتل والكذب))[14]

ترجمہ: لوگوں کے لیے ایک نیک یا فاجر امارت ضروری ہے۔ نیک تو وہ جو تقسیم میں انصاف کرے اور تمہارے درمیان برابر بانٹے اور فاجر امارت وہ ہے جس میں مومن کو آزمایا جاتا ہے اور فاجر امارت ہرج سے بہتر ہے۔ صحابہ کرام نے پوچھا یارسول اللہ !ہرج کیا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ قتل اور جھوٹ۔

5۔ قصہ طالوت میں اسلامی ریاستوں کے لیے قیادت کی اہلیت

قیادت چونکہ ایک عظیم ذمہ داری ہے جو دین، عقل اور برابری میں حقیقی اہلیت کا تقاضا کرتی ہے۔ اس لیے ایک قائد کے لیے مندرجہ ذیل اہلیتیں، جو قصہ طالوت میں مذکور ہیں، ضروری ہیں:

۱. عملی مہارت (تجربہ)

کسی بھی کام میں تجربہ اس کی کامیابی کی بنیاد ہے اور اس کام میں جہالت اس کی ناکامی کا بڑا سبب ہے۔ قائد کو جو کام سونپا جاتا ہے اس میں اس کی عملی مہارت لازمی ہونی چاہیے اور یہ قصہ طالوت میں دشمن کے حالات اور اس علاقے کے جغرافیائی صورتحال کے بارے میں معلومات اور جانکاری سے ظاہر ہوتا ہے، کیونکہ اسے ایک نہر کے بارے میں معلوم تھا تو اس نے کہا کہ:

{ان الله مبتليكم بنهر}

کہ اللہ تعالی تمہیں ایک نہر کے ذریعے آزمائے گا۔

۲. عزم واستحکام اور عقلمندی

یہ صفت بھی طالوت علیہ السلام کی شخصیت اور اس کے بہت سارے فیصلوں میں واضح تھی جس کی بہترین مثال یہ ہے کہ وہ اپنے نکلنے میں پرعزم تھا اور نافرمانوں کے بارے میں دوٹوک موقف اختیار کیے ہوئے تھا، اس لیے آپ علیہ السلام نے انہیں چھوڑ دیا اور باوجود کم تعداد اور سامان کے، مقابلے میں مضبوط تھا۔

۳. حکمت

حکمت کی اصل یہ ہے کہ اپنے قول وفعل کو درست اور محکم رکھا جائے اور یہاں اس سے مراد سچائی، درستگی، علم، انصاف اور بردباری ہے، جو اللہ تعالی نے طالوت علیہ السلام کو عطا کی تھی۔ امام بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب قوم نے اس کی غربت اور نسبت کی کمتری کی وجہ سے اس کی بادشاہت کو بعید سمجھا تو اس کا جواب دیا گیا کہ:

اولا : بان العمدة فيه اصطفاه الله سبحانه وتعالى وقد اختاره عليكم وهو اعلم بالمصالح منكم. وثانياً: بان الشرط فيه وفور العلم ليتمكن به من معرفة الامور السياسية،وجسامة البدن ليكون اعظم خطرا في القلوب،واقوى على مقاومة العدو ومكابدة الحروب،لا ما ذكرتم. وقد زاده الله فيهما وكان الرجل القائم يمد يده فينال راسه.

وثالثاً: بان الله تعالى مالك الملك على الاطلاق فله ان يؤتيه ما شاء.

ورابعاً: انه واسع الفضل يوسع على الفقير ويغنيه عليم بمن يليق بالملك من النسيب وغيره.[15]

یعنی پہلا اس میں بنیادی بات یہ کہ اللہ نے اسے تم پر منتخب کیا ہے اور وہ تم لوگوں سے زیادہ مصلحتوں کا جاننے والا ہے۔ دوسرا علم کی فراوانی شرط ہے کہ وہ سیاسی امور کو جاننے کے قابل ہو اور بدن کی جسامت ہو کہ دلوں میں اس کا رعب ہو اور دشمن کے مقابلے میں اور جنگوں کی سختیاں برداشت کرنے میں زیادہ طاقتور ہو، نہ یہ کہ جو تم نے ذکر کیا۔ اور اللہ نے اسے دونوں (علم اور جسامت) میں اضافہ عطا کیا تھا۔ اور کھڑا شخص اپنا ہاتھ پھیلا کر ہی اس کے سر تک پہنچا سکتا تھا۔ تیسرا یہ کہ اللہ تعالی مطلق بادشاہت کا مالک ہے، جسے چاہے عطا کر سکتا ہے۔ چوتھا یہ کہ اللہ تعالی وسیع وفضل والا ہے۔ وہ فقیر کو کشادگی دیتا ہے اور اسے غنی کرتا ہے اور وہ ہر اس شخص کو جانتا ہے جو بادشاہت کے لائق ہو خواہ رشتہ دار ہو یا غیر۔

اللہ تعالی نے داود علیہ السلام کو حکمت عطا کی جو فتح وکامیابی کا سبب بنی چنانچہ اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

{واتاه الله الملك والحكمة وعلمه مما يشاء}

البقرۃ:251

ترجمہ: اور اللہ نے اسے بادشاہت اور حکمت عطا کی اور اسے وہ کچھ سکھایا جو وہ چاہتا تھا.

۴. علم

علم یعنی عقل کی مضبوطی، معرفت اور گہری سمجھ کے ساتھ، ہر اس چیز کے لیے جو قیادت سے متعلق ہو، خواہ شرعی ہو، سماجی یا عسکری، کا علم۔ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ينبغي ان يكون الملك ذا علم وشكل حسن و قوة شديدة في بدنه ونفسه.[16]

یعنی علم سے مراد وہ معرفت ہے جو انہوں نے جنگ کے معاملے کے لیے طلب کی تھی۔

۵. طاقت

اللہ تعالی کی یہ سنت ہے کہ وہ جس کے لیے غلبہ اور فتح کا ارادہ کرتا ہے تو اسے وہ ذرائع عطا کرتا ہے جن کے ذریعے وہ فتح وکامیابی حاصل کر سکے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو زمین میں فتح اور غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے پاس وہ سرمایہ ہونا چاہیے جو اسے اس کے حصول میں مدد دے اور اس سرمائے کا اہم ترین عنصر "طاقت" ہے. علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فلما جاوز طالوت الروح نهر الطبيعة وغيره هو والذين امنوا من القلب والعقل والملك وغيرهم من اتباع الروح معه قال بعضهم وهم الضعفاء الذين لم يصلوا الى مقام التمكين: لا طاقه لنا اليوم بمحاربة جالوت النفس واعوانه لعراقتهم بالخدع والدسائس قال الذين يتيقنون انهم ملاقوا الله بالرجوع اليه: كم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله.[17]

یعنی جب طالوت علیہ السلام نے نہر کو پار کر لیا اور ان کے ہمراہ وہ لوگ بھی گزر گئے جو دل عقل اور بادشاہت کے اعتبار سے روح کے متبعین میں سے ایمان لائے تھے اور ان میں سے بعض نے کہا، جو کمزور تھے جو مستحکم مقام تک نہیں پہنچ پائے تھے: آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر کے ساتھ لڑنے کی طاقت نہیں ہے، کیونکہ وہ مکاریوں اور سازشوں میں دھنسے ہوئے تھے، جبکہ وہ لوگ، جنہیں اللہ کے ساتھ ملاقات کا یقین تھا، انہوں نے کہا کہ: بہت سے کم تعداد والے زیادہ تعداد والوں پر اللہ کے حکم سے غالب آئے ہیں۔

اس عنصر کی اہمیت اس میں ہے کہ یہ وہ ذریعہ ہے جس کی بدولت تمکین اور غلبے کا حصول اور اس پر قابو پانے کے عمل انجام پاتے ہیں۔ اللہ جب کسی کو غلبہ دلانا چاہے تو اسے طاقت بخشتا ہے اور یہی وہ چیز تھی جو اللہ نے طالوت علیہ السلام کو عطا کی تھی۔ اللہ نے اسے جسمانی اور علمی دونوں طاقتوں سے بہر اور فرمایا تھا کہ اس نے اپنے دور کے لوگوں کو پیچھے چھوڑ دیا چنانچہ وہ بادشاہ بننے کا اہل تھا۔

6۔۔ دینی معاملے پر اقدام کرتے وقت حقیقت کا جائزہ لینا

جب کوئی دینی معاملہ شروع کیا جائے، خصوصاً وہ جو فیصلہ کن امر یا باطل کے مقابلے سے متعلق ہوں، تو ارد گرد حقیقت کا جائزہ لینا شرعی اور عقلی طور پر ضروری ہے۔ قرآن کریم نے قصہ طالوت میں اس منہج کو بیان فرمایا ہے، جہاں اس وقت میں میدان جنگ میں اترنے سے پہلے زمینی حقائق کو سمجھنے اور حالات کے آگاہی کے حوالے سے اہم پہلو سامنے آتا ہے۔ ان حقائق کے معاملے میں درج ذیل چیزیں شامل ہیں:

۱. حقیقت سے آگاہی اگر اس پر کوئی مفسدہ مرتب نہ ہو، کیونکہ پیچھے رہنے والوں نے کہا کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر کے ساتھ مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔

۲. جنگ سے پہلے دوست اور دشمن کے حالات جاننا۔ آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ بزدل ہمیشہ خوف اور دہشت میں رہتا ہے۔

7۔ فتح کے اہم اسباب میں سے دعا بھی ہے

جنگ کے دوران دعا فتح کے عظیم ترین اسباب میں سے ہے چنانچہ طالوت علیہ السلام اور ساتھیوں نے جالوت سے مقابلے کے لیے نکلتے وقت دعا کی:

{ربنا افرغ علينا صبرا وثبت اقدامنا وانصرنا على القوم الكافرين}[18]

ترجمہ: اے ہمارے رب! ہم پر صبر واستقلال انڈیل دے اور ہمیں ثابت قدم فرما اور کافر قوم کے مقابلے میں ہمیں فتح ونصرت عطا فرما۔

غرض قصۂ طالوت ان قصص القرآن میں سے ہے جو تاریخ تربیت عقیدہ اور قیادی منہج کو یکجا کرتا ہے اور غلبہ، آزمائش، تبدیلی اور اقتدار کی گردش کے الٰہی قوانین کو سمجھنے کے لیے عملی نمونے پیش کرتا ہے۔

نتائج

1۔ قیادت الٰہی انتخاب علم، لیاقت اور جسمانی صلاحیت کی بنیاد پر ملتی ہے نہ کہ نسب اور مال کی بنیاد پر۔

2۔اقتدار اور نصرت آزمائشوں کے بعد ملتی ہے جیسا کہ طالوت علیہ السلام کے قصے میں نہر کے ذریعے سچے اور بزدلوں کے درمیان فرق ظاہر ہوا۔
3۔فیصلہ کن فیصلے کرنے سے پہلے حالات و واقعات کا مطالعہ کرنا ضروری ہے جیسا کہ بنی اسرائیل نے اس وقت کیا جب انہوں نے بادشاہ کی ضرورت محسوس کی جو ان کی صفوں کو منظم کرے۔
4۔اسباب کو اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں۔

سفارشات

1۔ قرآن کریم کے قصص کو محض تاریخی واقعات کے طور پر نہیں بلکہ ایمانی، اخلاقی، تربیتی اور اجتماعی رہنمائی کے اہم ماخذ کے طور پر نصابِ تعلیم میں مؤثر انداز سے پیش کیا جائے۔
2۔ قیادت کے انتخاب میں نسب، مال و دولت اور ظاہری وجاہت کے بجائے علم، اہلیت، صلاحیت، امانت داری اور جسمانی و ذہنی قابلیت کو بنیادی معیار بنایا جائے۔
3۔ ریاستی اور اجتماعی نظم میں میرٹ اور اہلیت کے اصول کو ترجیح دی جائے، کیونکہ واقعۂ سے واضح ہوتا ہے کہ قیادت کا اصل معیار نسب اور دولت نہیں بلکہ علم اور صلاحیت ہے۔
4۔ معاشرے میں یہ شعور اجاگر کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کے ساتھ جائز اور دستیاب اسباب کو اختیار کرنا بھی ضروری ہے اور یہ توکل کے منافی نہیں۔
5۔ اہم اجتماعی اور ریاستی فیصلے کرتے وقت حالات و واقعات کا گہرا مطالعہ، حقائق کا تجزیہ اور نتائج کا جائزہ لینے کے بعد فیصلہ کیا جائے۔
6۔ حق و باطل کی کشمکش کے حوالے سے قرآن کریم کی تعلیمات کو عام کیا جائے تاکہ افراد اور معاشرے مشکلات اور آزمائشوں کے باوجود حق پر ثابت قدم رہ سکیں۔

تجاویز

7۔ قصص القرآن کے دیگر واقعات سے بھی مستنبط ایمانی، سیاسی، معاشرتی، تعلیمی اور تربیتی اصولوں پر تحقیقی مطالعات کیے جائیں۔
8۔ حضرت طالوت علیہ السلام کے واقعے کو جدید سیاسی قیادت، ریاستی نظم و نسق اور مینجمنٹ کے تناظر میں مزید تحقیقی موضوع بنایا جائے۔
9۔ قرآن کریم میں بیان کردہ قیادت کے اصولوں کا جدید سیاسی و انتظامی نظریات کے ساتھ تقابلی مطالعہ کیا جائے۔
10۔ قصص القرآن سے مستنبط اصولوں کو عصر حاضر کے مسائل اور عملی تقاضوں سے مربوط کرنے کے لیے تحقیقی منصوبے تشکیل دیے جائیں۔
11۔ جامعات اور تحقیقی اداروں میں قصص القرآن کے استنباطی مطالعے کے موضوع پر ایم فل اور پی ایچ ڈی سطح کی مزید تحقیقات کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

12۔ آئندہ تحقیقات میں قصص القرآن کے عملی اطلاق پر خصوصی توجہ دی جائے تاکہ قرآنی واقعات سے حاصل ہونے والی رہنمائی فرد، خاندان، معاشرہ اور ریاست کی اصلاح میں مؤثر طور پر استعمال کی جاسکے۔

حوالہ جات

[1] عبدالرحمن بن خلدون، تاریخ ابن خلدون، بیروت: دار الفکر 1981م، 101/2

[2] ابن عساکر، علی بن حسین، تاریخ مدینۃ دمشق، بیروت: دار الفکر، 437/24

[3] أبو جعفر محمد بن جرير الطبري، جامع البيان عن تأويل آی القرآن المعروف بتفسير الطبری، دار هجر للطباعة والنشر والتوزيع، الأولى 1422ھ/2001م

[4] على بن خازن، لباب التأويل في معاني التنزيل، بيروت: دار الكتب العلمية، 182/1

[5] محمد بن علي بن محمد الشوكاني، فتح القدير، بيروت: دار المعرفة، الرابعة 1428ھ/2007م، 307/1

[6] على بن الحسن ابن عساكر، تاريخ مدينة دمشق، بيروت: دار الفكر 1994م، 442/24

[7] عبد الحق بن غالب ابن عطية الاندلسي، المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز، بيروت: دار الكتب العلمية، 338/1

[8] محمد بن اسماعیل البخاري، صحيح البخاري، کراچی: قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ، 472/1

[9] القرآن، سورۃ یس: 82

[10] محمد بن صالح العثيمين، تفسير سورة آل عمران، السعودية: دار ابن جوزي، 247/2

[11] القرآن، البقرۃ: 253

[12] حافظ ابن احمد الحكمي، معارج القبول بشرح سلم الأصول إلى علم الاصول، الدمام: دار ابن القيم، 230/1

[13] احمد بن عبد الحليم ابن تيمية، السياسة الشرعية في إصلاح الراعي والرعية، بيروت: دار ابن حزم، ص 51

[14] سليمان بن احمد الطبراني، المعجم الكبير، مكتبة ابن تيمية، رقم الحديث 10، 10210/132

[15] ناصر الدين ابو سعيد عبد الله بن عمر البيضاوي، انوار التنزيل واسرار التاويل، دار احياء التراث العربي بيروت، 1998م، 15/1

[16] ابو الفداء اسماعيل بن عمر القرشي ابن كثير، تفسير القران العظيم المشتهر بتفسير ابن كثير، دار الكتب العلمية بيروت، الأولى 1419ھ/1998م، 507/1

[17] ابو الفضل شهاب الدين السيد محمود الالوسي، روح المعاني في تفسير القران العظيم والسبع المثاني، دار احياء التراث العربي بيروت، 566/1

[18] القرآن، البقرۃ: 250